مولانا ابوالکلام آزادؒ

ایک جائزہ

از جناب محمد شعیب صاحب عمری بنگلور

امام الہند مولانا آزادؒ کے سانحۂ ارتحال پر چودہ سال گذر گئے۔ غور کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی کل یہ حادثہ پیش آیا ہو۔ وقت کی رفتار کا بھی عجیب حال ہے۔ چودہ سال ہوں یا چودہ دن، جب گذرنے پر آتے ہیں تو اس سرعت کے ساتھ گذر جاتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کس طرح گذر گئے۔

بلاشبہ مولانا آزادؒ کی رحلت، تاریخ کا ایک ایسا عظیم واقعہ ہے کہ جس کے دردانگیز اثرات و نتائج امتداد زمانہ کے باوجود آج بھی نہاں خانۂ قلب میں موجزن ہیں۔ لیکن رنج و الم کے یہ تاثرات صرف اسی بنا پر نہیں ہیں کہ مولاناؒ نے انتقال فرمایا، بلکہ اس بنا پر ہیں کہ ان کی ذات گرامی میں مختلف علوم و فنون اور اوصاف و کمالات کی جو دولت سمٹ آگئی تھی۔ وہ بھی انہی کے ساتھ سپرد خاک ہوگئی اور دنیا اس انمول اور بے مثال خزانہ سے محروم رہ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا عرض کروں، مولاناؒ کی یاد تازہ کیا ہوئی کہ میرے دل کی آرزو مندیوں میں ایک تلاطم بپا ہوگیا اور جی بے اختیار چاہنے لگا کہ ان کے اوصاف و کمالات اور علوم و فنون کی جامعیت پر اپنے معلومات کو صفحۂ قرطاس پر پھیلا دوں، مگر جب آمادۂ تحریر ہوا تو بڑی دشواری پیش آئی کہ ایک طرف حقائق و معارف اور مطالب و مفاہیم کی وسعت، مباحث کی گہرائیاں اور موضوع کی پیچیدگیاں، ایسی نکل آئیں، جو شرح و اطناب کے بغیر قلم بند نہیں ہو سکتیں، دوسری

طرف، دائرۂ بیان کی تنگنائی اور الفاظ کی نامساعدت اس درجہ شکیب آزما ثابت ہوئی کہ قدم قدم پر عنانِ قلم کھینچنی ہی پڑی۔

قلم را آں زباں نبود کہ سرِّ عشق گوید باز ⁂ بروں از حدِّ تقریر ست شرحِ آرزومندی

اس عجیب صورتِ حال کے پیشِ نظر، میرے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ موضوع کی وسعت کو محدود کرکے، تعبیرِ بیان کے لئے انہی الفاظ کی وساطت اختیار کروں۔ جو خود بخود سطحِ ذہن پر اُبھر آئیں۔ چنانچہ میں نے اسی طریقۂ کار کو اختیار کیا۔

مولانا آزاد بحیثیت جامعیتِ علوم وفنون

مولانا آزادؔ، کرۂ ارضی کے ان اعاظمِ رجال و اکابرِ علم وفضل میں سے ایک تھے۔ جن کی زندگی کو نیرنگ سازِ ازل نے رنگا رنگ علوم وفنون اور گوناگوں اوصاف وکمالات کے ایسے روشن اور تابناک جوہروں سے گوندھا تھا کہ جن کی شعاعیں ان کے ناصیۂ امامت پر سورج کی طرح چمک رہی تھیں۔

شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا آزاد ایک ایسا خزینہ تھے۔ جس میں مختلف اور متضاد علوم وفنون کی پوری ایک دنیا سمٹ آگئی تھی۔ یعنی وہ بیک وقت، تحریر وتقریر کے شہنشاہ تھے۔ تو علم وحکمت کے سلطان بھی، بحرِ شریعت کے ماہر غواص تھے تو رموزِ حقیقت اور اسرارِ طریقت کے عارفِ کامل بھی۔ عدیم النظیر مفسرِ قرآن تھے تو بے مثال محدّث بھی بلند پایہ مورخ تھے تو جلیل القدر سیرت نگار بھی۔ ادیبِ اریب تھے تو طبیبِ حاذق بھی، انشا پردازی کے امام تھے۔ تو سیاست کے سپہ سالار بھی، محیر العقول مفکر تھے۔ تو حیرت انگیز مدبر بھی، مایۂ ناز فلسفی تھے تو چوٹی کے منطقی بھی، تصنیف وتالیف کے بادشاہ تھے تو صحیفہ نگاری کے رہبرِ کامل بھی، غرض کہ علوم وفنون کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا، جس کو مولانا کی تاجداری میں رہنے کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔

وَلَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

خود مولانا نے بھی بعض خصائص کے اس فیضانِ خاص کا اظہار فرمایا ہے۔

"مذہب، علوم وفنون، ادب، انشاء، شاعری۔ کوئی وادی ایسی نہیں جس کی

بے شمار نئی راہیں مبدأ فیاض نے مجھ نامراد کے دل و دماغ پر نہ کھول دی ہوں اور ہر آن دہر لحظہ بخششوں سے مالامال نہ ہوا ہو۔ بحد یکہ ہر روز اپنے آپ کو عالم معانی کے ایک نئے مقام پر پاتا ہوں اور ہر مقام کی کرشمہ سنجیاں پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیاں ماند کر دیتی ہیں" (نقش آزاد صفحہ ۱۵۷)

بلاشبہ مذکورہ حیرت انگیز کمالات اور جملہ علوم و فنون میں ہمہ گیری، محض کار فرمائے غیب ہی کی بخشش خاص تھی جس سے آپ نوازے گئے چنانچہ مولانا نے بطور تحدیث نعمت اعتراف فرمایا۔

"جو کچھ پایا ہے، صرف بارگاہ عشق سے پایا ہے، جتنی رہنمائیاں ملیں صرف اسی مرشد فیض و ہادیٔ طریق سے ملیں، علم کا دروازہ اسی نے کھولا عمل کی حقیقت اسی نے بتلائی معرفت کے صحیفے اسی کی زبان پر تھے۔

حقیقت کے خزانے اس کے دست کرم میں تھے، شریعت کے حقائق کا وہی معلم تھا، طریقت کے نشیب و فراز میں وہی رہبر تھا، قرآن کے بھید اسی نے بتلائے۔ سنت کے اسرار اسی نے کھولے۔ نظر اس نے دی۔ دل اس نے بخشا، کون سی مشکل تھی جو اس کی ایک سلجھی ہوئی نظر سے سلجھ نہ گیا، اور یہ جو کچھ کہا گیا تو یہ نہ سمجھا جائے کہ اپنے عیبوں کو بھی ہنر بنا کر دکھلانا مقصود ہے جس عالم میں ہنر کو بھی ہنر سمجھنا معصیت ہو۔ وہاں عیب کو حسن بنانے کا وہم بھی گذرے تو کفر سمجھا جائے۔ مقصود تو صرف یہ تھا کہ

وَكَمْ لِلّٰهِ مِنْ لُطْفٍ خَفِيٍّ يَدِقُّ خَفَاهُ عَنْ فَهْمِ الذَّكِيِّ (تذکرہ)

درحقیقت مولانا آزادؒ، اپنے بے پناہ علم و فضل اور اوصاف و کمالات کے تنوع کے اعتبار سے مافوق الفطرت انسان تھے، قدرت نے انہیں جو اوصاف بخشے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں وصف ان کا اجتہاد فکر و نظر تھا، چنانچہ علم و فن کی ہر وادی میں ان کے مجتہدانہ تخیل نے جدت و ندرت کی جو گل کاریاں کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ تقریر و

تحریر تھی کہ مجلسی گفتگو کے میدان میں بھی انہوں نے بلحاظ انداز و اسلوبِ بیان، الفاظ و تراکیب کے استعمال، مطالب و ادائے مطالب، ترتیب دلائل و مواد، اور اندازِ استدلال و اخذِ نتائج، اپنی شاہراہ آپ بنائی، لیکن کبھی انہوں نے کسی پیش رو کی تقلید کی اور نہ متابعت

مولانا آزادؒ کی مجلسی گفتگو

جن خوش قسمت افراد کو مولاناؒ سے قرب حاصل تھا، وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اُن کی زندگی، بالعموم سیاسی میدانوں کے حوادث سے گھری رہتی تھی۔ شاید ہی کوئی دن ان پر ایسا گذرا ہو، جس میں وہ سیاسی زندگی کے بے کیف اشغال سے بے تعلق رہے ہوں، لیکن بسا اوقات ایسے مواقع بھی پیش آتے کہ عین اس عالم میں جب کہ ان کے قیمتی لمحات، سیاسی گتھیوں کے سلجھانے میں گذر رہے ہوتے۔ ان کا کوئی ہم ذوق و ہم نفس اچانک آپہونچتا، تو ان کی بے کیف طبیعت کا رنگ، نہایت حیرت انگیز طریقہ سے بدل جاتا اور چہرہ گلاب کی طرح شاداب ہو جاتا جیسے ان کے کیف و ذوق میں راحت و سرور کی ایک نئی لذت سما گئی ہو، شرکاءِ مجلس صاف طور پر محسوس کرتے کہ مولاناؒ گرد و پیش کے تمام حالات سے کنارہ کش ہوکر، عالمِ باغ و بہار میں جلوہ افروز ہو چکے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے ہم ذوق کی طرف، ہمہ تن متوجہ ہوکر کوئی موضوع چھیڑ دیتے تو محسوس ہوتا، چمنستانِ ہزار رنگ کھل گیا ہے، جب مسلسل بولنے لگتے تو حقائق و معارف کے رنگا رنگ پھول جھڑنے لگتے۔ ادب و انشاء اور شعر و سخن کے مباحث نکل آتے تو معلوم ہوتا، گہر افشانی فرما رہے ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث کے معارف و حکم بیان کرنے لگتے تو محسوس ہوتا نوادر افیت و جواہر کی بارش ہو رہی ہے اس وقت مولانا کی گفتگو کا شیریں طرز، انہام و تفہیم کا دلنشیں انداز اور اُن کے نگاہوں کی پُر اثر کیفیت، مشاہدہ کی خاص چیز ہوتی، دیکھنے اور سننے والے تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ مسحور و بے خود ہو کر رہ جاتے تو ساتھ ہی اپنی روح کے ایک ایک گوشہ میں حیاتِ تازہ کی لہر کو دوڑتے ہوئے بھی پاتے۔ اس طرح چند گھنٹوں تک، اُن کے انوار و تجلیاتِ علوم سے بزمِ سخن منور رہتی اور جب اختتام پر پہنچتی تو ہر شخص مولانا مسعود عالم ندوی

مرحوم کی طرح، یہ تاثر لے کر اٹھتا کہ:۔

"ابوالکلام ایک مجتہد النظر عالم، ایک نکتہ شناس ادیب، بلند آہنگ خطیب اور بے مثل انشا پرداز ہیں، ان کی مجلسی گفتگو تقریروں سے زیادہ موثر اور سادہ وسلیس انشا، الہلال کے خطیبانہ مقالات سے زیادہ دل نشین ہوتی ہے۔ ان کے ادبی نکتے، دوسروں کی تصنیفوں پر بھاری اور اچھوتی کی سرمایۂ ناز تحقیقات ان کے علمی چٹکلوں کے سامنے گرد ہیں"۔[1]

اس خصوص میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی شہادت ملاحظہ فرمایئے علوم وفنون میں مولانا آزاد کی ہمہ گیری کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"خدا معلوم کتنے مختلف علوم اور متعدد فنون کے خزانے دماغ میں جمع ہو گئے تھے۔ اور ہر وقت، مستحضر، طب ہو کہ الہیات، فقہ ہو یا کلام، شعر وادب ہو یا موسیقی، تاریخ ہو کہ سیاست، جس فن سے متعلق جو بھی موضوع ہو بس گفتگو چھیڑنے کی دیر تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سامنے کوئی معمولی واقف کار ہی نہیں ماہر فن تقریر کر رہا ہے اور تقریر بھی ایسی دل آویز ومربوط کہ فصاحت وبلاغت بلائیں لیتی جا رہی ہے۔ غضب کا حافظہ تھا اور غضب کی خوش دماغی"

(چند یادیں۔ صدق جدید مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۵۸ء)

<u>مولانا کی خطابت</u> مولانا کی خطابت بھی نہ صرف جلوۂ صد رنگ ہوتی تھی بلکہ صفات جلال وجمال کے حسین مظاہر کا ایک دل کش مجموعہ ہوتی تھی۔ وہ تقریروں سے بالعموم گریز کرتے تھے، اور یہ ان کی طبیعت کی خاص بات تھی۔ انہیں تقریر کے لئے آمادہ کرنا بڑا مشکل کام ہوتا تھا، لیکن جب وہ آمادہ ہو جاتے اور ان کی روح پرور تقریر کا اعلان کر دیا جاتا تو اس کی جاذبیت وکشش کا یہ عالم ہوتا کہ جس طرح پروانے روشنی کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح ہزاروں انسانوں کے دل اطراف وجوانب ملک سے بے اختیار کھنچے چلے آتے تھے۔

مولانا تقریر شروع کرتے اور دوران تقریر میں جب ان پر جلالی رنگ غالب ہوتا تو شعور

[1] مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم - ابوالکلام - مطبوعہ ندیم ۱۹۴۸ء

کے سامنے ایسا سماں طاری ہوتا جیسے جلالِ ربانی کے شعلے ان کی نگاہوں سے نکل رہے ہیں۔ سمندروں میں طوفان بپا ہے، بارش اور ابر و باد ہنگامہ آرا ہیں، بادل گرج رہے ہیں۔ اور بجلیاں کڑک رہی ہیں، لیکن جوں ہی ان کی خطابت، جمال زیبائی اور حسن و دل آویزی کے ایک نئے پیکر میں نمایاں ہونے لگتی تو ایسا منظر طاری ہوتا جیسے نورِ الٰہی کی کرنیں، اُن کی نگاہ سے چھن چھن کر نکل رہی ہیں، صبحِ تجلی نمودار ہو کر ہر آنکھ کو بینا بنا رہی ہے سورج اپنی تمام بوقلمونیوں کے ساتھ طلوع ہو کر دنیا کے گوشے گوشے کو زیورِ طلائی پہنا رہا ہے، پہاڑ اپنی بلندی و عظمت کے ساتھ وقار اور استقامت کے پیکر بنے ہوتے ہیں، زمیں کا گوشہ گوشہ، روئیدگی و سرسبزی سے مالا مال ہو کر نزہت و سرور بخش رہا ہے، شاخیں وجد میں آآ کر جھوم رہی ہیں، کلیاں مسکرا رہی ہیں تو پھول اپنی رنگین اداؤں کے ساتھ جھک رہے ہیں آبِ رواں ترنم ریز ہے تو طیور نغمہ سنج ہیں۔ بہ الفاظِ مختصر، مولانا کی خطابت مظاہرِ جلال و جمال کا ایسا حسین مرقع ہوتی، جس کا ہر منظر دیدۂ بصیرت کے لئے بہشت زارِ جمال ہوتا جس کا ہر نغمہ گوشِ حق نیوش کے لئے ملکوتی ترانہ ہوتا اور جس کی ہر لَو فردوس کی ہواؤں کی طرح عطر بیز ہوتی۔ سامعین جب مجلسِ تقریر سے اٹھتے تو نہ صرف لذتِ سماع کی محویت سے بے خود ہو کر اٹھتے بلکہ لذتِ مشاہدہ اور لذتِ عمل کے حصول کا بے تاب ولولہ لے کر اٹھتے، نیز زبانِ حال سے پکار اٹھتے:

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر ‎ ‎ ‎ ‎ محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

مولانا کی یہ عظیم الشان تقریریں، اُس روشن دور کی ہیں، جب کہ ان کی شوکت و عظمت کا آفتاب آسمانِ قبول پر درخشاں تھا۔ یہ دور وہ تھا جب کہ فتنۂ معاصرت خوابیدہ تھا۔ عیارانِ سیاست حکومتِ انگریزیہ کے آلۂ کار نہ بنے تھے اور حکومتِ وقت کے ایوان دہلی میں زور و شور پر [illegible] تھا۔ لیکن حکومت نے مولانا کے عظیم المرتبت وجود کو خطرہ محسوس کرنے کے باوجود [illegible] جاری کرنے کا آغاز نہ کیا تھا اور حریفانِ سیاست نے بھی

ان کی ذات گرامی پر طرح طرح کی تہمتیں اور نوع بنوع کے الزامات عائد کر کے۔ مسلمان عوام کے جذبات کو ان کے خلاف مشتعل نہ کیا تھا۔ نیز ان کی امامت و خطابت عیدین کے مقاطعہ کا تصور بھی مخالفین و حاسدین کے ذہن میں پیدا نہ ہوا تھا۔ اس مقام پر رشتہ سخن دراز ہے، لیکن جو باتیں عرض کی گئی ہیں وہ از قبیل اشارات ہیں۔ ارادہ ہے کہ انشاءاللہ تاریخ ہند کے ان المناک واقعات کی توضیح و تفصیل کے لئے لمحات فرصت نصیب ہوں تو ایک مستقل مضمون حوالۂ قلم کروں۔

مولاناؒ کی نگارشات مولاناؒ کی تحریروں میں بحیثیت جامعیت و ہمہ گیری، معنی خیزی، سحر آفرینی اور اثر انگیزی وہ تمام محاسن بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ جو ان کی مجلسی گفتگو اور تقریروں میں جلوہ افروز تھے۔

دیدہ وران علم و ادب اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ مولاناؒ کی تحریریں، علم کی گہرائیوں کے ساتھ ادب و انشاء کی گلکاریوں، علمی لالہ کاریوں اور زبان و بیان کی لطافتوں کا ایک ایسا حیرت انگیز مجموعہ ہوتی ہیں کہ ان میں بحیثیت اوصاف و خصائص، فرق و امتیاز قائم کرنا کہ فلاں تحریر فلاں تحریر پر فوقیت رکھتی ہے۔ ایک نہایت کٹھن کام ہے۔ لیکن میں نے اس تعلق سے جس حد تک غور کیا یہی محسوس کیا کہ ان کی ہر نگارش اپنے مرکزی مقاصد کے اعتبار سے جن مخصوص اوصاف کی مقتضی ہوتی تھی ان سے متصف ہو کر ان تمام اوصاف و کمالات کو بھی اپنے وسیع دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ جو ان کی دیگر تحریروں میں بالعموم پائے جاتے ہیں۔ البتہ مولاناؒ نے اپنی نگارشات اور تصانیف میں جن اوصاف و خصائص کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا تفحص و استقراء ممکن ہے۔ چنانچہ میں نے ان نگارشات اور تصانیف پر اس غرض سے غائرانہ نظر ڈالی تو درج ذیل اوصاف و محاسن نظر افروز ہوئے۔

اوصاف و خصائص تحریر (۱) ہر قلم اپنا خاص رنگ رکھتا ہے اور وہ رنگ اسی وقت نمایاں طور پر ابھر سکتا ہے۔ جب کہ اس کا ایک ایسا خاص اسلوب ہو۔ جو اس کو دیگر قلموں

کے رنگ ڈھنگ سے ممتاز کردے۔ چنانچہ مولانا کے ذوقِ سلیم نے علوم وفنون کے اس فطری تقاضے کو محسوس کیا، اوران کے مجتہدانہ ذہن نے علم وفن کے تنوع کے اعتبار سے کئی ایسے اسلوبِ نگارش تخلیق کئے، جو آپس میں ایک دوسرے سے مختلف تھے یعنی جو فن جس اسلوبِ خاص کا متقاضی تھا، مولانا نے وہی اسلوب اُس کو عطا کردیا، لیکن انہوں نے ہر نگارش کے لئے ایک ہی قسم کا اسلوب جیسا کہ تمام اہلِ قلم کا وتیرہ ہے۔ کبھی اختیار نہ کیا۔

(۲) ایک عجیب مگر لطیف خوبی جو مولاناؒ کے ہر اسلوب میں غیر محسوس طور پر جلوہ افروز رہتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا ہر اسلوب مجرد اسلوب نہیں ہوتا بلکہ اس میں دلیل بھی مضمر رہا کرتی ہے یعنی وہ ہر فن کے تقاضے کے مطابق جو اسلوب اختیار کرتے تھے اس کی دل نشینی و اثر آفرینی اس غضب کی ہوتی تھی کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمودار ہوجاتی اور مخاطب کے ذہن کو بے اختیار دلیل کی طرف مائل کرکے اس طرح مطمئن کردیتی کہ اس کو صحیح تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہوتا۔

بلاشبہ مذکورہ حیرت انگیز خوبی قرآن حکیم کی ہے۔ مولاناؒ نے اس کو قرآن حکیم ہی سے اخذ کیا ہے اور یہ بات عرض کی جائے تو اس کو کسی طرح مبالغہ آمیز نہ سمجھا جائے گا کہ ان کی شخصیت کی تکوین وتخلیق اور تزئین وآرائش میں قرآن حکیم ہی کی روح کارفرما رہی۔ انہوں نے اپنی تمام خداداد صلاحیتوں اور دل کے کامل اخلاص کے ساتھ قرآن حکیم کا اس طرح عمیق اور وسیع مطالعہ کیا کہ اس کی روح ان کے قلب ودماغ کے ایک ایک ریشہ میں جذب ہوگئی، چنانچہ انہوں نے قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ پر جس انہماک وتوجہ خاص کے ساتھ غور وفکر کیا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قرآن میرے شب وروز کے تفکر ونظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورت ایک ایک مقام، ایک ایک آیت ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں

قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گذر چکا ہے اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے حتی الوسیع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو،،

(ترجمان القرآن جلد اول صہ ۱۹ مطبوعہ زمزم کمپنی لاہور)۔

مولانا کی اس مخلصانہ سعی و عمل کا ثمرہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن حکیم کے بیشمار معارف و حکم اور ان گنت اوصاف و کمالات کے دروازے کھول دیئے اور ان کے قلب و نظر کو اس کی روشنی سے منور کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا مخصوص احسان اس عاجز پر یہی ہے کہ اس نے تفسیر بالرائے کی آلودگی سے پاک رکھ کر حقائق قرآنیہ کو منکشف کر دیا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم"

(البلاغ نمبر ۲ صہ ۱۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

"اگر تم کہو کہ ... حقائق و معارف (قرآن) کی طرف رہنمائی ایک فضل مخصوص ہے جس کے انکشاف کے لئے خدا تعالیٰ نے اس عاجز و درماندہ قلب کو چن لیا تو یہ فی الحقیقت سچ ہے

یَا لَیْتَ قَوْمِی یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِی رَبِّی وَجَعَلَنِی مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ" (البلاغ نمبر ۲)

حاصل کلام یہ کہ مولانا کا مزاج چونکہ قرآنی ادب و بلاغت کے سانچے میں ڈھلا تھا اس لئے ان کے حقیقت نگار قلم نے اردو ادب کے دامن کو قرآنی حقائق و معارف کے پھولوں سے بھر دیا اور اس کے پر شوکت با عظمت اور دل آویز اسلوب اور لب و لہجہ کو علم و ادب کی تمام قسموں میں منتقل کر دیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۳) مولاناؒ کی تحریریں متعدد پیراگرافوں سے اس طرح مرکب ہوتی ہیں کہ ہر پیراگراف اپنے سابق ولاحق پیراگرافوں سے مربوط ہو کر مرتب مضمون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن خوبی کی بات یہ ہے کہ اکثر پیراگراف اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں، یعنی ان کو نفس مضمون سے علیحدہ کر دیجئے تو وہ اپنے مفہوم کی توضیح میں محتاج ماقبل وما بعد نہیں ہوتے۔

(۴) مولاناؒ آزاد کے طرز نگارش کی ایک عجیب خوبی یہ ہے کہ ان کی تحریروں میں ایسے بلند پایہ حکیمانہ جملے بکثرت جلوہ آرا رہتے ہیں، جو بحیثیت معنی خیزی، اثر انگیزی اور سبق آموزی اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں اگر ان روشن اور تابناک جواہر پاروں کو اخذ کر کے مختلف عنوانوں کے تحت مرتب کیا جائے تو اس کام کے لئے کئی دفتر مطلوب ہوں گے۔ لیکن یہ خدمت بے انتہا مفید ثابت ہو گی۔ الحمد للہ راقم الحروف نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے۔

(۵) مولاناؒ کی تحریروں میں ایک حیرت انگیز خوبی یہ ہے کہ ان کے اکثر پیراگراف اور جملے اس قدر جامع ومانع اور وجیز ہوتے ہیں کہ ان کے مفہوم کو صفحۂ قرطاس پر پھیلا دیجئے تو ان کا ایجاز اطناب سے بدل کر مستقل مضمون کی شکل اختیار کر لے گا۔ چنانچہ مولاناؒ نے اس حقیقت پر ایک دوسرے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔

"مباحث ومعارف کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا مگر نوک قلم پر پہنچا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن کر رہ گیا

اب کتاب کے صفحے پر وہ ایک جملہ ہی رہے گا، لیکن اہل نظر چاہیں تو اپنے ذہن وفکر میں پھر اسے ایک دفتر کی صورت میں پھیلا دے سکتے ہیں"

(ترجمان القرآن دوم)

کہا جاتا ہے کہ مولانا آزادؒ ایجاز کے نہیں۔ اطناب کے بادشاہ تھے، لیکن مولاناؒ کے معجز نگار قلم نے ایجاز نگاری میں بھی غیر فانی کمالات کو اجاگر کر کے ثابت کر دیا ہے

کہ وہ بلاشک وریب ایجاز کے بھی بادشاہ ہیں۔ یہاں ضرورت مثالوں کی ہے لیکن چونکہ مثالیں تفصیل وتوضیح کی طالب ہیں۔ اس لئے اختصار کے پیش نظر، قارئین کی توجہ کو ترجمان القرآن کی طرف مبذول کرانا مناسب سمجھتا ہوں۔ بلاشبہ ترجمان القرآن، ایجاز نگاری کی سب سے زیادہ روشن اور تابناک مثال ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت نہایت جمال وزیبائی کے ساتھ بے نقاب ہوگی کہ اس کے ایک ایک صفحہ، ایک ایک جملہ اور ایک ایک سطر میں ایجاز کا رنگ بحد کمال جلوہ آرا ہے۔ چنانچہ خود مولانا آزادؒ تفسیری نوٹ کے تعلق سے رقمطراز ہیں

"یہ نوٹ عبارت میں مطول نہیں ہو سکتے تھے اور مطول نہیں ہیں، لیکن معانی واشارات میں مفصل ہو سکتے تھے اور پوری طرح مفصل ہیں اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی سطر تفسیر کا ایک پورا صفحہ بلکہ بعض حالتوں میں ایک پورے مقالہ کی قائم مقام ہے" (ترجمان القرآن جلد دوم)

درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہ (نوٹ) قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں۔ اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں۔ مقاصد ووجوہ سے پردے اٹھاتے ہیں۔ دلائل وشواہد کو روشنی میں لاتے ہیں۔ احکام ونواہی کو مرتب ومنضبط کرتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی ومعارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔

(ترجمان القرآن جلد دوم)

نیز طریق بیان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا کہ لفظ کم سے کم ہیں لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے گئے ہیں۔ جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے، نفس مطلب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی ان کے ہر لفظ اور جملہ پر جس قدر غور کیا جائے گا مطالب ومباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے

جائیں گے۔ (ترجمان القرآن جلد اوّل)

(۶) مولانا آزادؒ کے گنجینۂ دماغ میں اردو، عربی اور فارسی کے حسین، شاندار اور پُرشکوہ الفاظ کے کتنے ذخائر موجود تھے۔ اس کا علم کسی کو نہیں حتیٰ کہ خود انہیں بھی نہیں تھا۔ لیکن جوں ہی ان کا شہپ قلم برق رفتاری کرنے لگتا، اور مطالب و معانی کے اظہار کے لیے الفاظ کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے حافظہ سے جس میں اعلیٰ درجہ کی تنظیم و ترتیب کے ساتھ الفاظ ہمیشہ صف آرا رہتے تھے۔ مناسب اور موزوں لفظ نکال لیتے اور اس کو عبارت میں اس کی مناسب جگہ پہاڑ کی سی مضبوطی کے ساتھ جما دیتے تھے۔ الفاظ کی اس نشست کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ہر لفظ اپنے سابق و لاحق لفظ سے اس قدر مربوط ہو جاتا کہ ان میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہ رہتی اور نہ حذف و اضافہ کا امکان۔

(۷) مولاناؒ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کی ترکیبیں سُبک اور بے وقار نہیں ہوتیں، بلکہ اس قدر دل آویز، دل فریب، حسین اور شگفتہ ہوتی ہیں کہ نکتہ شناسان علم و ادب اور دیدہ وران حسن و جمال جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔ ان نادر اور بدیع ترکیبوں میں ایسا ترنم، حسن اور اثر جلوہ افروز رہتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

(۸) قدرت نے مولانا کو جن خصائص سے نوازا تھا۔ ان میں ان کے حافظہ کی دولت سب سے بڑی نعمت تھی۔ پورا قرآن مجید ان کے حافظہ میں ہر موضوع اور ہر عنوان کے تحت بالترتیب ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ جب وہ دینی یا مذہبی مضمون لکھنا شروع کرتے تو ہر موقعہ اور محل کی مناسب آیتیں ان کے بے مثال حافظہ سے بالترتیب اُبھر آتیں اور ان کے حقیقت نگار قلم کی نوک پر آکر اس عمدگی و نفاست کے ساتھ پیوستِ عبارت ہو جاتیں کہ گویا عبارت اپنے ظاہری و باطنی مقتضیات کی تکمیل کے لیے ان آیاتِ کریمہ کی محتاج تھی۔ اس طرح پورا مضمون قرآنی جواہرات سے مُرصّع ہو کر مینارۂ ہدایت بن جاتا، پڑھنے والے اس کے اعجاز اور اثر سے اس قدر متاثر

ہوتے کہ انہیں محسوس ہوتا کہ ان کے دل و دماغ کے بند دروازے کھل گئے ہیں اور ان میں قرآن حکیم کے علوم و معارف کی روشن شمعیں جگمگا اٹھی ہیں۔

(۹) مولانا آزادؒ جب نثر میں شاعری کرنے لگتے۔ اور ان کا جواہر نگار قلم صفحۂ قرطاس پر دوڑنے لگتا تو معلوم ہوتا۔ نہایت بے ساختگی کے عالم میں۔ الفاظ فصاحت و بلاغت کے سانچے میں ڈھلتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن جونہی معانی و مطالب کی مناسبتیں ابھرنے لگتیں، تو وہ اپنے عجائب خانۂ ذہن سے جس میں قدیم اساتذۂ فن کے، ہر نوع اور ہر قسم کے بلند پایہ اشعار کا ذخیرہ ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ موقع اور محل کی کامل مناسبت سے جس شعر کی ضرورت ہوتی، فوراً نکال لیتے اور اس کو نثر سے اس طرح مخلوط و مربوط کر دیتے۔ جس طرح بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جاتا ہے۔ اس ترکیبی عمل کا قدرتی اثر یہ ہوتا کہ وہ شعر نثر کے مطالب سے جڑ کر نفس مطلب کا ایک لازمی جزء بن جاتا اور عبارت بھی ایک جمالِ تازہ کے ساتھ حسن و رعنائی کا جلوہ گاہ بن جاتی۔ فی الحقیقت نظم و نثر کا ایسا حیرت انگیز اور دل آویز ارتباط و اختلاط، مولانا آزادؒ کی تحریر کی ایسی خوبی ہے جس میں ان کا سہیم و شریک کوئی نہیں۔

(۱۰) مولاناؒ کی تحریریں۔ ادب و انشاء کے محاسن سے اس طرح مرصع اور مزین ہوتی ہیں۔ جیسے معلوم ہوتا فصاحت و بلاغت کی طلائی و نقرئی جدولیں، نہایت حسین و لطیف امتزاجی کیفیت کے ساتھ بل کھا کھا کر دوڑ رہی ہیں تو استعارات کی نیرنگی و دل ربائی، تمثیلات کی خوبروئی و دل آویزی تشبیہات کی رعنائی و زیبائی کا روح پرور جلوہ بھی اس کے ہر ظہور میں نظر افروز ہے۔

(۱۱) مولاناؒ کی تحریریں صوری و معنوی محاسن کا جمال افروز مرقع ہوتی ہیں۔ یعنی الفاظ کے شکوہ اور ان کی جگمگاہٹ، فقروں کی چمک دمک اور سج دھج کے ساتھ معانی و مطالب اور علوم و معارف کی اس قدر فراوانی ہوتی ہے، جیسے زمین کی تہہ میں آب شیریں کی

سوتیں بہہ رہی ہیں تو اس کی سطح لہلہاتے ہوئے کھیتوں، طرح طرح کے پھلوں اور رنگا رنگ پھولوں سے لدی ہوئی ہے۔ بعض حضرات مولاناؒ کے طرزِ تحریر پر اُدق، مغلق اور پُر تکلف انشاء پردازی کا طعن توڑتے ہیں لیکن خطابت اور انشاء پردازی کے ادا شناس اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ الفاظ اور تراکیب کے سہل و مغلق اور فصیح و غیر فصیح ہونے کا مسئلہ اس قدر اہم نہیں ہے جس قدر نہایت سلیقہ اور عمدگی سے مناسب اور اور موزوں مقام پر ان کا استعمال کرنا ہے، یعنی ادق سے ادق تراکیب اور مشکل سے مشکل الفاظ بھی نہایت حُسنِ تناسب کے ساتھ برمحل مستعمل ہوں تو وہ صحیفۂ ادب بن جاتے ہیں اور اداء مطالب میں کوئی پیچ و خم نہ ہو تو عبارت میں حیاتِ تازہ کی روح دوڑنے لگتی ہے چنانچہ مولاناؒ کی تمام تحریروں کا یہی حال ہے، مطالعہ کیجئے گا تو آپ پر مذکورہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو گی اور آپ محسوس کریں گے کہ مشکل سے مشکل الفاظ اور ادق سے ادق ترکیبیں بھی ان کے خداداد کمال اور وہبی ذوق کی بدولت اس طرح شگفتہ ہو گئی ہیں کہ تحریر کے ہر لفظ میں فصاحت و بلاغت کی روح اپنی پُر اثر قوت کے ساتھ بولنے لگی ہے نیز پیرایۂ بیان کی معنویت جس قدر ہمہ گیر ہے۔ اسی قدر الفاظ نے بھی ترجمانی کا مکمل حق ادا کر دیا ہے یعنی معانی کے نمود کے لئے الفاظ کا مناسب، موزوں اور برمحل استعمال اس حُسن و دل آویزی سے کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ مولاناؒ نے ایک طرف الفاظ میں معانی و مطالب کے فانوس روشن کر دئے ہیں تو دوسری طرف فقروں میں جذب و کشش سے بھرپور دل کے ٹکڑے پھیلا دیئے ہیں۔

اس خصوص میں صاحبِ طرز ادیب مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی۔ الہلال کے خصائص و کمالات کا ذکر کرتے ہوئے الفاظ و تراکیب کی جدت و ندرت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چھٹنا جانے لگے نئے اور بھاری بھرکم لغات اور نئی ترکیبیں نئی تشبیہیں

نئے استعارات اور نئے اسلوب بیان، ہر ہفتے اس ادبی و علمی ٹکسال سے ڈھل ڈھل کر باہر نکلنے لگے اور جاذبیت کا یہ عالم کہ نکلتے ہی سکۂ رائج الوقت بن گئے۔ حالی وشبلی کی سلاست وسادگی سر پیٹتی رہی اور اکبر الہ آبادی اور عبدالحق موجودہ بابائے اردو اسب ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے،، (چند یادیں، صدق جدید ۱۴ر مارچ ۱۹۵۸ء)

(۱۳) مولانا آزادؒ کے طرزِ نگارش کا ایک کمال یہ ہے کہ موضوع اگر سہل اندازِ بیان کا متقاضی ہو تو وہ نہایت سلیس، زود فہم، معنی خیز، حقیقت فرما اور دل آویز زبان اختیار کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس اندازِ بیان میں بھی ایک مسیحا نفس کی طرح زندگی پیدا کرتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں تو علوم و معارف کے رنگارنگ پھول صفحہ ہائے قرطاس پر بکھرنے لگتے ہیں۔ نیز ایک عجیب دل کش اور اثر آفریں طرز سے معانی و مطالب کو ٹھوس اور مستحکم دلائل وبراہین کی روشنی میں اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ زنگا ہیں علم و حکمت کے موتی چن رہی ہیں۔ اس سلیس طرزِ نگارش کی سب سے زیادہ روشن مثال ان کی عدیم النظیر تفسیر "ترجمان القرآن" ہے، چنانچہ خود مولاناؒ نے ترجمہ کے سہل اور عام فہم ہونے کے تعلق سے فرمایا۔

"یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطلب سمجھ لینے کے لئے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے میں نے تجربہ کے لیے سورۂ بقرہ کا مجرد ترجمہ ایک چودہ پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اردو کی آسان کتابیں روانی کے ساتھ پڑھ لیتا ہے۔ پھر ہر موقعہ پر سوالات کرکے جانچا۔ جہاں تک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا، جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے

اور ابھی اس کی استعداد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اُردو کے تعلیمی رسائل پڑھ لیتا ہے۔ یہ تین جگہ فارسی لفظوں پر اٹکا۔ لیکن مطلب سمجھنے میں اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی، میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتاً زیادہ سہل الفاظ رکھ دیئے "۔ (ترجمان القرآن جلد اوّل)

(۱۴) عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ معقولات، فلسفہ اور اجتماع ایسے خشک موضوع ہیں۔ کہ جن کی نگارش میں زبان و بیان کی شگفتگی، رنگینی، دل کشی اور لطافت و حلاوت کا جلوہ گر ہونا ایک امر مستبعد ہے۔ لیکن مولاناؒ کے معجز نگار قلم نے نہایت مؤثر فصاحت اور طرز نو و اسلوب جدید اختیار کر کے اس خشک وادی کو بھی گلستانِ ہزار رنگ میں تبدیل کر دیا ہے، چنانچہ مولاناؒ کی فلسفیانہ تحریروں پر نظر ڈالئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ ان میں پیچ و خم ہے اور نہ الجھاؤ بلکہ ان کا ایک ایک فقرہ ایک ایک جملہ اور ایک ایک لفظ ایسا صاف روشن اور دل نشین ہے جیسے معانی کا نگینہ ہے جو انگوٹھی میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ جڑ دیا گیا ہے۔ مولاناؒ آزاد اس نوع کی نگارش کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ الہلال مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۳ء میں ایک نئے باب کا بعنوان "فلسفہ" افتتاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس باب کی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس کے تحت جس قدر مضامین شائع ہوں گے۔ انہیں ہر طرح کے مذہبی معتقدات و آراء سے الگ رکھا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ محور فکر و نظر فلسفہ و اجتماع ہو۔

ضمناً یہ امر بھی پیش نظر رہے گا کہ اجتماعی و فلسفی مباحث کے لئے ایک نئے طرز بیان و انشاء کا نمونہ پیش کیا جائے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ فلسفیانہ مضامین وہی ہو سکتے ہیں۔ جن کی عبارت نہایت روکھی پھیکی اور بے مزہ ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اسے فلسفیانہ استدلال

دنظر سے بالکل خالی سمجھنا چاہیئے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ قلمی پست ہمتی کم از کم ان لوگوں کے لئے تو جائز نہیں رکھی جاسکتی جنہیں خدائے تعالیٰ نے اپنے ہر طرح کے افکار کو بہتر لفظوں اور موثر فصاحت کے ساتھ بیان کرنے کی قدرت دے دی ہے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اور ان پر بلاغتِ قرآنی کے درس و افادہ سے فیضانِ بیان کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا ہے کہ دقیق سے دقیق خشک مطالب کو بھی وہ حسن و عشق کی دل چسپ داستان بنا دے سکتے ہیں۔

آں نیست کہ صحرائے سخن جادہ ندارد
واژوں روشن کج نظری را چہ کند کس؟

(۱۵) مولانا آزاد کی تحریر کی ایک خصوصیت مرقع نگاری ہے، ان کا سحر نگار قلم صدہا رنگینیوں اور حسن آرائیوں کے ساتھ جس دل کش اور مؤثر طریقہ سے قدرتی مناظر اور بزم و رزم کی صحیح تصویر الفاظ میں کھینچتا ہے، اس پر عقل حیران ہے۔

ان کا حقیقت نگار قلم اگر بزم و انجمن کی تصویر کشی کرنے لگے تو چشم تصور کے سامنے اس محفل کا سارا ماحول اور جملہ مناظر گھومنے لگتے ہیں۔ اور اگر ان کے اشہب قلم کی باگ رزم کی طرف مڑ جائے تو معلوم ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی عسکری تنظیم و ترتیب کے ساتھ مجاہدین صف آرا ہیں، بے نیام تلواریں اپنی چمک دمک سے نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ موت و زیست کی قیامت خیز جنگ شباب پر ہے۔ لاشیں تڑپ رہی ہیں، مقتولین کے حلقِ بریدہ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ تو زخمیوں کے جسم سے خون اُبل رہا ہے۔

مولانا آزادؒ نے واقعات و مناظر کی بھرپور مصوری کے لیے جس نہج کو قبول

سلیقہ سے مناسب، موزوں اور حسنِ اشارہ بیان سے مزین الفاظ۔ نادر اور برجستہ ترکیبوں، اچھوتی مثالوں اور اشاروں کا استعمال کرکے اس نوع کے محاکاتی طرزِ نگارش کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

(۱۶) مولانا آزادؔ کے طرزِ نگارش کی ایک لطیف خوبی یہ ہے کہ وہ "اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِیْحِ" کے مطابق اپنی زندگی کے حالات و واردات کو نہایت دھیمے اشاروں اور دھندلے کنایوں میں اس جدت و ندرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ شاعرانہ انداز بیان تمام تفصیلات کا آئینہ دار ہو جاتا ہے۔

اس نوع کی تحریروں کے مطالعہ کے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اُن کا جادو نگار قلم بلاغت کے جوش اور فصاحت کی مستی کے ساتھ رقص کرنے لگا ہے تو اس سے چمنستانِ عبارت میں رنگا رنگ اور نوع بنوع کے پھول کھل گئے ہیں اور معانی و مطالب اپنی اصلی شکل و صورت کے ساتھ الفاظ و تراکیب کے آئینہ میں اس طرح جلوہ گر ہو گئے ہیں کہ سارا گلستانِ ادب ان کی جگمگاہٹ سے روشن ہو گیا ہے۔

مختصر یہ کہ مولانا نے اپنی حیات زریں کی تیس سالہ سرگذشت کو پردۂ مجاز میں بیان کرکے نثر میں جو وجد آفریں شاعری کی ہے وہ ان کے کمالِ نگارش کا ایسا روشن پہلو ہے جس کی مثال موجودہ دنیائے علم و ادب میں نہیں ملتی۔

(باقی آئندہ)

(تصحیح)

مئی ۱۹۷۲ء کے برہان میں محمد مجیب صاحب کے عنوان سے درج مضمون میں مشتاق احمد صاحب کے نام سے پہلے نواب زادہ کی بجائے نواب لکھا گیا ہے۔ قارئین کرام تصحیح فرمالیں۔